عقائد شناسی:

شیعہ علم کلام اور علم فلسفہ میں فکر کی اہمیت

از: علامہ محمد حسین طباطبائی

میں نے اس سے قبل بھی یہ بیان کیا ہے کہ قرآن کریم نے عاقلانہ فکر کی تصدیق کی ہے اور اسے مذہبی فکر کا جز قرار دیا ہے دوسری طرف عاقلانہ فکر نے نبی کریمؐ کی نبوت و حقانیت کی تصدیق کی ہے۔ظواہر قرآن کو جو آسمانی وحی ہے نیز پیغمبر اکرمؐ و اہل بیت اطہار علیہم السلام کے اقوال و بیانات کو عقلی دلائل کی صف میں جگہ دی ہے۔ انسان خدا داد فطرت وصلاحیت کی بنیاد پر اپنے نظریات اور عقلی دلائل کو ان کے اقوال کے ذریعہ ثابت کرتا ہے جن کی دو قسمیں ہیں۔

برھان ودلیل

بحث ومباحثہ

برھان ودلیل سے مراد وہ حجت ہے جس کا مواد حق کے مقدمات اور واقعیت پر مشتمل ہے چاہے وہ مسلم نہ ہوں یا اس کی گواہی نہ ملتی ہو۔یا دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ یہ ایک ایسا مسئلہ اور ایک ایسا موضوع ہونا چاہئے کہ انسان خدا کے عطا کردہ شعور کی بنیاد پر اس کے ادراک وتصدیق کے لئے مضطرب رہے۔مثلاً ہم جانتے ہیں کہ (تین کا عدد چار کے عدد سے چھوٹا ہے) اس طرح کی فکر عقلی فکر کہلاتی ہے بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ اس فکر کا تعلق اسی دنیا سے ہواور مذکورہ کام اسی جہان ہست وبود میں انجام پا رہا ہو۔جبکہ آغاز

آفرینش اور دنیا و اہل دنیا کے خاتمہ کے سلسلے میں کی جانے والی فکر فلسفیانہ فکر کہلاتی ہے۔

مباحثہ ایسی حجت ہے جس کا پورا یا کچھ مواد مشہود اور مسلم الثبوت ذرائع سے حاصل کیا جاتا ہے جیسا کہ مختلف ادیان و مذاہب کی جماعتوں کا معمول ہے جو کہ اپنے مذہب میں مذہبی نظریات کو اس مذہب کے مسلمہ اصولوں سے ثابت کرتے ہیں۔

قرآن کریم نے دونوں طریقوں کو سراہا ہے اور قرآن کریم میں ان دونوں طریقوں کے سلسلہ میں بہت ساری آیتیں وارد ہوئی ہیں۔سب سے پہلے یہ کلیات دنیا میں آزاد فکر اور تمام نظام عالم اور خاص نظام جیسے آسمان کا نظام شب و روز اور ستاروں کا نظام، زمین، نباتات، حیوانات اور انسان وغیرہ کے نظام کے سلسلہ میں حکم کرتا ہے اور بلند تعریف و توصیف اور عقلی تلاش و جستجو سے آزاد کردیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ عقلی فکر کے مباحث سے جسے عموماً علم کلام کی بحث قرار دیا جاتا ہے اس شرط کے ساتھ اسے (بے جھجک اظہار کے لئے نیک اخلاق سے آراستہ ہوکر) انجام دیا جائے جیسا کہ حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے (اے رسول) تم (لوگوں کو) اپنے پروردگار کی راہ پر حکمت اور اچھی اچھی نصیحت کے ذریعہ سے بلاؤ اور بحث ومباحثہ کرو بھی تو اس طریقے سے جو (لوگوں کے نزدیک) سب سے اچھا ہو...'' سورہ نحل آیت ۱۲۵

۲۔ اسلام میں علم فلسفہ اور علم کلام کے سلسلہ میں شیعوں کی پیش قدمی

یہ بات اظہر من الشمس'' ہے کہ شیعوں کا اقلیتی گروہ اہل سنت کے اکثریتی فرقے سے روز اول ہی الگ ہوگیا تھا اپنے مخالفین سے ہٹ کر ان لوگوں نے مخصوص نظریہ اختیار کیا اور اسی نظریہ پر بحث ومباحثہ اور استدلال کرتے رہے یہ حقیقت ہے کہ مباحثہ دوطرفہ ہوتا ہے اور دو مخالف جماعتوں سے وابستہ افراد اس میں برابر کے شریک ہوتے ہیں البتہ شیعوں نے ہمیشہ دفاعی اقدام کئے ہیں، بغض وعناد، نفرت و دشمنی کی راہوں اور ان کے وسیلوں کو تلاش کرنا اصل میں اس کی طرف سے ہے جو حملہ کرتا ہے۔

نیز وہ پیشرفت جو علم کلام کے بحث کا تدریجی مقدر بنی وہ دوسری اور تیسری صدی ہجری کی ابتداء میں مذہب کی بلندیوں سے ترقی کے معراج تک پہنچی ، اس سے مربوط شیعہ علماء ومحققین جو کہ مکتب اہل بیت علیہم السلام کے شاگرد تھے وہ متکلمین کی پہلی فہرست میں شمار کئے گئے ۔ جب کہ اہل سنت میں متکلمین کا سلسلہ اشاعرہ معتزلہ اور دوسروں سے ہوتا ہوا شیعوں کے پہلے امام حضرت علی ابن ابی طالب تک پہنچتا ہے۔

جو شخص بھی پیغمبر اسلامؐ کے صحابہ کے آثار سے شناسائی رکھتا ہے وہ یہ بات بہت اچھی طرح سے جانتا ہے کہ وہ تمام تالیفات جو صحابہ سے ہم لوگوں کو دستیاب ہوئی ہیں اور جن کی تعداد ۱۲ ہزار تحریر کی گئی ہے ہم تک آئے ہیں ان میں کوئی بھی تالیف فلسفیانہ فکر پر مبنی نہیں ہے۔تنہا امیر المومنین علیہ السلام کے الہیاتی اور دل پذیر فلسفیانہ بیانات میں فکر کی گہرائیوں پائی جاتی ہے۔

فلسفیانہ صحابہ اور وہ علماء وتابعین جو صحابہ کے بعد آئے اور بالآخر اہل عرب اس روز تک آزاد فکر سے کسی طرح کی واقفیت نہیں رکھتے تھے ،۔پہلی صدی کے دانشوروں کے اقوال میں فلسفیانہ کوششوں کی کوئی مثال نہیں ملتی صرف اور صرف اہل تشیع کے پیشواؤں اور رہبروں کے اقوال میں فلسفیانہ رنگ پایا جاتا ہے خاص طور پر پہلے امام حضرت علیؑ اور آٹھویں امام حضرت علی رضاؑ کے اقوال میں فلسفیانہ اقوال کا بحر بیکراں موجزن نظر آتا ہے ۔ اور یہی وہ شخصیتیں ہیں جنہوں نے اپنے شاگردوں کی ایک جماعت کو اس فکر سے آشنا کیا۔

اہل عرب فلسفیانہ طرز فکر سے اس وقت تک دور تھے جب تک اس موضوع پر لکھی گئی بعض یونانی کتابوں کا عربی میں ترجمہ نہیں ہوگیا ترجمہ کا یہ سلسلہ دوسری صدی ہجری کی ابتداء میں شروع ہوا پھر اس کے بعد تیسری صدی ہجری کے اوائل میں بھی بہت ساری یونانی اور سریانی نیز دوسری زبانوں کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہوا اس طرح فلسفہ پر مبنی فکری روش عام لوگوں تک آئی ، اس چیز سے فقہا کی اکثریت اور فلسفہ کے متکلمین اور دیگر تمام علوم

عقلیہ کے ان نو وارد علماء کو جو نئے نئے اس میدان میں وارد ہوئے قدرے خوشی نہیں ہوئی، ابتدائی مرحلہ میں حکومت وقت کی حمایت کے سایہ میں کی جانے والی اس مخالفت کا کوئی خاص اور قابل ذکر اثر مرتب نہ ہوا اگرچہ بعد میں فلسفہ کی کتابوں کو دریا برد کردیا گیا۔ رسائل اخوان الصفا جو گمنام مؤلفین کے فکر کی ایک ہلکی سی جھلک ہے یہ یادگار ہے ان دنوں کی اور گواہی وعلامت ہے اس نا مناسب وقت کی۔ اس دور کے بعد چوتھی صدی ہجری کی ابتداء میں علم فلسفہ ابونصر فارابی کی وجہ سے زندہ ہوا اور اس نے پانچویں صدی ہجری میں معروف فلسفی شیخ بوعلی سینا کی مساعی جمیلہ سے وسعت پائی چھٹی صدی ہجری میں شیخ سہروردی نے مشرقی فلسفہ کی اصلاح کی اور انہیں اسی جرم میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے حکم سے قتل کردیا گیا۔ ان کے بعد اکثر دوسرے لوگ فلسفہ کی داستان کی جمع آوری میں سرگرم رہے اور کوئی نامی فلسفی پیدا نہ ہوا۔ ساتویں صدی ہجری میں ''اُندلس'' جو اسلامی ممالک کے کنارے پر واقع تھا وہاں ابن رشد اندلسی نے جنم لیا جس نے مشرقی فلسفہ کے فروغ و اصلاح کی کوشش کی۔

۳۔ فلسفہ علوم عقلیہ کے فروغ میں شیعہ دانشوروں کی خدمات

جس طرح شیعہ علماء ودانشور حضرات نے ابتداء میں فلسفیانہ افکار کی ترویج واشاعت کے لئے موثر اور سرگرم کردار ادا کیا تھا بالکل اسی طرح علوم عقلیہ کی ترویج اور اس کی پیشرفت میں بھی یہ لوگ ایک اہم ذریعہ ثابت ہوئے اور ان کی اشاعت کی بھرپور کوششیں کیں اسی وجہ سے ابن رشد کی رحلت کے بعد فلسفہ اہل سنت حضرات کے درمیان سے رخصت ہوگیا لیکن شیعوں میں یہ علم پوری طرح باقی رہا اور بعد میں بھی نامی گرامی فلاسفہ پیدا ہوتے رہے جیسے خواجہ طوسیؒ میر داماد اور صدر المتالہین وغیرہم جیسی شخصیتیں سامنے آئیں۔ اس طرح ایک کے بعد دوسرے سے فلسفہ کی تحصیل وتحریر کا سلسلہ جاری رہا۔

ان تمام علوم نے خالص الٰہی فلسفہ کے اثر سے شیعوں کی مسلسل کوششوں کے نتیجہ میں بہت گہری پیشرفت کی اور اسی طرح خواجہ طوسی اور شمس الدین کے قیاس کے آثار کے نتیجہ

میں ترکہ ملا اور میرداماد وصدر المتالہین نے گذشتہ آثار سے روشنی حاصل کی۔

۴۔ فلسفہ اہل تشیع میں کیوں باقی ہے۔

جو چیز شیعوں کے درمیان عاقلانہ اور فلسفیانہ افکار کی پیدائش کا ذریعہ بنی اور شیعوں کے وسیلہ سے اس کا اثر دوسرے علمی ذخائر پر بھی مرتب ہوا اور وہ افکار شیعی پیشواؤں کی غیبی یادگار کے طور پر آج بھی ہمارے درمیان موجود ہیں اس فلسفیانہ طرز فکر کی بقاء کا موثر عامل یہی ذخائر علمی ہیں جو شیعوں سے مربوط ہیں اور شیعہ اسے عظمت و تقدس کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کا احترام کرتے ہیں اس مطلب کو واضح کرنے کے لئے اہل بیت علیہم السلام کے علمی ذخائر کافی اور فلسفیانہ کتابوں میں موجود ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ فلسفہ روز بروز مذکورہ بالا علمی ذخائر سے قریب تر ہوتا گیا اور گیارہویں صدی ہجری میں یہ قربت اتنی بڑھ گی کہ ایک دوسرے کے درمیان تعبیر کے علاوہ کوئی فرق نظر نہ آیا۔

۵۔ اہل تشیع کی کچھ اہم اور غیر معمولی ذہین شخصیتیں:

الف: ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ وہ پہلے شیعہ محقق و دانشور ہیں جنہوں نے شیعی روایات کو یکجا کیا (وہ تمام محدثین جنہوں نے آئمہ اہل بیت علیہم السلام سے روایت کی ہے آپ نے ان تمام روایتوں کو ایک کتاب میں جمع کیا اور اس کتاب کا نام ''اصل'' رکھا گیا) اور اسے ابواب فقہ و اعتقاد کے ذیل میں ترتیب دیا ان کی کتاب جسے ''کافی'' کے نام سے جانا جاتا ہے تین قسموں اصول، فروع اور متفرقات میں منقسم ہے اس میں ۱۶۱۹۰ سولہ ہزار ایک سو نو حدیثیں تحریر ہیں یہ حدیث کی بہت مشہور و معروف کتاب ہے جو عالم تشیع میں پہچانی جاتی ہے۔ اور دوسری تین کتابیں بھی کافی ہی جیسی ہیں۔

"من لا یحضرہ الفقیہ" یہ کتاب شیخ صدوق محمد بن بابویہ قمی متوفی ۳۸۱ھ کی تالیف ہے۔ نیز ''تہذیب الاسلام'' اور ''الاستبصار'' کے مولف شیخ طوسی علیہ الرحمہ متوفی ۴۶۰ھ ہیں۔

ب: ابوالقاسم جعفر بن حسن یحیٰ حلی متوفی ۶۷۶ھ آپ محقق کے لقب سے مشہور ہیں آپ کا شمار عظیم فقہاء وشیعہ میں ہوتا ہے۔آپ کی فقہی شاہکار کتابیں ''مختصر النافع'' اور ''شرائع الاسلام'' ہیں جو سات سو سال سے فقہا کے ہاتھوں میں ہے اور ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ تک پہنچ رہی ہے اسے تعجب خیز نظروں اور پر عظمت نگاہوں سے آج تک دیکھا جارہا ہے۔

محققوں کی فہرست میں ایک نام شہید اول شمس الدین محمد بن مکی کا بھی لیا جاتا ہے جنہیں ۷۸۶ھ میں شیعہ ہونے کے جرم میں دمشق (شام) میں قتل کیا گیا انکی شاہکار فقہی کتاب ''لمعہ'' ہے جسے انہوں نے دمشق میں اپنی گرفتاری کے بعد سات دنوں میں قید خانہ میں تحریر فرمایا تھا۔ اسی طرح شیخ جعفر کاشف الغطاءؒ بھی اہم شیعی دانشور ہیں جن کی وفات ۱۲۲۷ھ میں ہوئی ان کی کتاب کشف الغطاء کو بھی فقہی شاہکاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔

ج۔ شیخ مرتضیٰ انصاری شوشتری متوفی ۱۲۸۱ھ آپ نے علم اصول فقہ کی بنیاد رکھی، اصول عملیہ کی راہوں کو اس فن کے ذریعہ آسان کیا اگرچہ ان کی وفات کے بعد سو سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے لیکن آج بھی شیعہ فقہاء کے درمیان ان کے خیالات تسلیم کیے جاتے ہیں۔

د: خواجہ نصیر الدین طوسی متوفی ۶۷۲ھ وہ پہلے شیعہ دانشور ہیں جنہوں نے علم کلام کو ایک مکمل فن کی صورت میں روشناس کرلیا۔ ان کے اہم شاہکاروں میں ان کی کتاب علم کلام ہے۔تقریباً سات سو سال قبل انہوں نے اہل فن کے درمیان اپنا علمی لوہا منوالیا تھا ان کی کتاب پر بے شمار علماء ومصنفین نے حاشیہ اور شرحیں لکھی ہیں۔علم کلام کے علاوہ خواجہ کا شمار عظیم فلسفی اور بزرگ ریاضی داں میں بھی ہوتا ہے اس کی بہترین گواہ ان کی کتاب ارزندہ ہے جس میں تمام علوم عقلیہ ہیں اور ''رصد خانہ مراغہ'' بھی انہیں کے آثار میں سے ہے

ہ: صدر الدین محمد شیرازی متولد ۹۷۹ھ متوفی ۱۰۵۰ھ آپ پہلے ایسے فلسفی ہیں جس نے متفرق فلسفیانہ مسائل کو یکجا کیا جیسے علم ریاضی وغیرہ۔

اس لحاظ سے (سب سے پہلے) آپ نے فلسفہ میں تازہ امکان کی راہیں ہموار کیں

اور صدیوں سے جن مسائل فلسفہ کی گتھیاں الجھی ہوئی تھیں اسے آپ نے آراستہ کیا (دوسرے یہ کہ) انہوں نے ایک عرفانی مسئلہ کے سلسلہ کو (جو ان دنوں عقل وفہم سے بالاتر شمار کیا جاتا تھا) بہت آسانی سے بحث ومباحثہ کا موضوع بنایا (تیسرے) عمیق بیانات، دینی ظواہرات کے ذخیرے جو کہ اہل بیت علیہم السلام کے تھے اور صدیوں سے حل نہ ہوسکے، غالبًا اسے متشابہات میں شمار کیا جاتا تھا اسے آپ نے حل اور واضح کیا۔ اس طریقے سے دینی ظواہر، عرفانی وفلسفہ کو مکمل لباس عطا کرتے ہوئے اسے ایک راہ پر لگادیا، صدر المتالہین سے قبل بھی کچھ دانشوروں جیسے شیخ سہروردی مؤلف حکمۃ الاشراق، جو کہ چھٹی صدی کے فلاسفہ میں سے تھے یا شمس الدین محمد ترکہ جن کا شمار آٹھویں صدی ہجری کے فلاسفہ میں ہوتا ہے ان حضرات نے اس فلسفہ میں بہت اہم اور موثر اقدام کئے لیکن مکمل اور منظم کام کا سہرا صدر المتالہین کے سر بندھا۔

صدر المتالہین نے یہ روش اختیار کی کہ جوہر کے حرکت کے نظریہ کو ثابت کیا جائے پھر آپ نے چھ چوتھے نظریہ نسبیت کو کشف کیا (البتہ یہ خارجی ذہن سے کیا نہ کہ فکر سے) آپ نے تقریبا پچاس کتابیں تالیف کیں آپ کے فلسفہ کی شاہکار کتاب ''اسفار'' ہے جو چار جلدوں پر مشتمل ہے۔

کشف ودریافت

۱۔انسان اور عرفانی ادراک

حقیقت حال یہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت تلاش معاش اور روزانہ کی ضروریات زندگی کے فراہم کرنے میں سرگرداں ہے انہیں روحانیت سے کوئی دلچسپی نہیں لوگوں کے اس گروہ میں طبیعت صرف طبعی طور پر موجود ہے اس لئے ان میں کے بعض افراد روحانی ادراک حاصل کرنے میں دلچسپی لیتے ہیں۔

ہر انسان حسب امر ثابت ایمان رکھتا ہے اور جس وقت وہ پاک ذہن اور طاہر فکر

سے تخلیق کائنات کے سلسلہ میں سوچتا ہے اور اسے دیکھتا ہے تو دوسری طرف وہ دنیا کے غیر محکم اجزاء کا ادراک کرتا ہے، دنیا اور مخلوقات دنیا کو وہ مثل آئینہ پاتا ہے جس میں اس کو سجانے والے کا عکس نظر آتا ہے ادراک کی لذت اسے دنیا کی ہر لذت سے بے بہرہ کر دیتی ہے اور ہر شئی اسے، ہیچ نظر آنے لگتی ہے۔ اور پھر وہ فطری طور پر ان شیریں اور ناپائدار نمونے دیکھ کر اپنی مادی زندگی کو عرفانی ادراک کے تئیں حقیر سمجھنے لگتا ہے۔

یہ وہی عرفانی جذبہ ہے جو معرفت خدا رکھنے والے کو عالم بالا کی طرف متوجہ کر دیتا ہے، حجت خدا کو قلب انسان کا مسکن بنادیتا ہے وہ ہر چیز کو بھول جاتا ہے اور تمام آرزو و خواہشات کا گلا گھونٹ دیتا ہے اور انسان کو اس خدا کی عبادت و پرستش کے لئے آمادہ کرتا ہے جسے اس نے دیکھا تک نہیں گرچہ وہ خدا ہر دیکھنے اور ہر سننے سے روشن قرار اور واضح تر ہے۔ درحقیقت یہ بھی ایک باطنی کشش ہے جس نے خدا پرست لوگوں کے گروہ کو وجود بخشا عارف وہی شخص ہے جو خدا کی عبادت محبت والفت میں غرق ہو کر کرے نہ یہ کہ وہ عبادت اپنے ثواب کے امید میں یا عذاب کے خوف میں کرے۔ یہاں یہ بات ثابت ہے کہ عرفان کو مذہب کے برابر کسی دوسرے مذہب میں شمار نہیں کیا جا سکتا، بلکہ عرفان تو ایک ایسی راہ ہے جو عبادت کی راہوں میں سے ہے (عبادت محبت کی وجہ سے نہ کہ کسی امید ویاس کی بناء پر ہو) دینی ظواہر اور عقلی فکر کی راہ کے برابر میں یہ حقائق ادیان کے ادراک کا راستہ ہے۔

خدا کی عبادت کرنے والا ہر ایک مذہب، یہاں تک کہ بت پرستوں کا بھی کوئی نہ کوئی روحانی رہبر ہوتا ہے جو انہیں اپنی مذہبی راہوں پر چلاتا ہے، بت پرستی، یہودیت، مجوسیت اور اسلام سب ہی عارف رکھتے ہیں اور ان میں عارف نہیں بھی ہوتے ہیں۔

اسلام میں عرفانی ادراک کا ظہور:

پیغمبر اکرمؐ کے صحابہ کرام میں سے (جن کی تعداد کتب رجال میں تقریباً ۱۲ ہزار بیان کی گئی ہے) تنہا حضرت علیؑ کی ذات گرامی ایسی ہے جن کے پر مغز بیانات میں عرفانی

حقائق اور روحانیت کے مراحل کا بحر بیکراں موجزن ہے ورنہ دیگر تمام اصحاب کے جو بھی علمی ورثے ملے ان میں عرفانی خیالات کا دور دور تک نام ونشان نہیں پایا جاتا، حضرت علیؑ کے چاہنے والوں اور شاگردوں میں حضرت سلمان فارسی، اویس قرنی، کمیل بن زیاد، رشید ہجری اور میثم تمار وغیرہ جیسی علمی شخصیتیں پائی جاتی ہیں جن سے عامہ عرفا اپنا سلسلہ عرفانی منسلک کرتے ہیں اس گروہ کے بعد پھر دوسرے لوگ جیسے طاؤس یمانی مالک بن دینار، ابراہیم ادہم اور شقیق بلخی وغیرہ دوسری صدی ہجری میں ظاہر ہوئے صرف یہ نہیں کہ عرفان وتصوف میں انہوں نے خود کو متعارف کرایا بلکہ زہد و ورع میں بھی وہ لوگوں کے نزدیک اولیاء حق مانے جاتے رہے۔ گرچہ انہوں نے اپنی تربیت کے ارتباط کی حالت کو اپنے ماسبق گروہ سے مربوط ہونے کو چھپایا بھی نہیں۔

اس طبقہ کے بعد ایک دوسرا گروہ جیسے بزید بسطامی، معروف کرخی، جنید بغدادی اور ان جیسے حضرات سامنے آئے جنہوں نے عرفانی راستہ منتخب کیا اور عرفان وتصوف میں، ظاہر ہوئے، کشف وشہود کے عنوان سے گفتگو کی جس نے مکروہ طریقہ اختیار کرنے والے فقہاء ومتکلمین کو سر اٹھانے کا موقع دیا نتیجتاً ان کے لئے مشکلات پیدا ہوگئیں، ان میں سے بہت سارے افراد کو سلاخوں کے پیچھے ڈالدیا گیا یا انہیں اسیر کرکے ان کی تشہیر کی گئی۔

ان چیزوں کے باوجود ان لوگوں نے اپنے مخالفین کے سامنے اپنے نظریات کی باربار تکرار کی اس طرح یہ طریقت روز بروز بڑھتی گئی یہاں تک کہ یہ ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں اپنے بام عروج تک پہنچ گئی اس کے بعد اسے کبھی بلندی تو کبھی پستی سے دوچار ہونا پڑا یہاں تک کہ اب تک اس کا وجود باقی ہے۔

بزرگ عرفاء کی اکثریت نے، جن کے اسماء گرامی تذکروں میں ملتے ہیں، ظاہری طور پر مذہب اہل سنت کو اختیار کیا۔ طریقت کو ہم آج جس صورت میں دیکھتے ہیں (جو کہ ایک طرح کے آداب ورسومات پر مشتمل ہے جس کی کتاب وسنت کی تعلیمات میں کوئی سند نہیں) وہ

انہیں لوگوں کی یادگار ہے، اگرچہ ان کے بہت سارے آداب و رسومات شیعوں میں بھی سرایت کر گئے ہیں۔

جیسا کہ کہتے ہیں کہ اس جماعت کے سلسلے اور ان کے سیر و سلوک کے بارے میں اسلام میں کوئی لائحہ عمل بیان نہیں ہوا ہے، بلکہ معرفت نفس کا طریقہ وہ طریقہ ہے جسے خود مسلمانوں نے دریافت کیا ہے اور یہ بارگاہ احدیت میں قبول ہوگا، بالکل رہبانیت کے طریقوں کی طرح جو کہ بغیر مسیح کی دعوت کے وارد ہوا ہے، نصاریٰ نے اسے خود اپنے لئے دریافت کیا اور وہ مقبول ہوا۔

اسی طرح ہر ایک بزرگ اہل طریقت نے جن آداب و رسومات کی صلاح دی اور سیر و سلوک کے پروگرام میں اسے شامل کیا، اپنے مریدوں کو اس کا حکم دیا اور اس طرح تدریجاً پروگرام کو وسعت ملتی رہی اور مستقل صورت میں اسے وجود حاصل ہوا ہے،

جیسے ریاضت کی رسم، ذکر و خرقہ کی تلقین، غنا و موسیقی کا استعمال، ذکر کے موقع پر وجد میں آنا، اور بعض ایسے امور کی انجام دہی جس میں شریعت ایک طرف لی جاتی ہے اور طریقت دوسری طرف، اس روش کے طرفدار عملی طور پر باطنیہ سے ملحق ہوجاتے ہیں لیکن اگر شیعوں کے نظریات کا تقابلی مطالعہ کیا جائے جس کا اصلی مدرک اسلام (کتاب و سنت) ہے اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے یہ اس کے برعکس ہے اور یہ ممکن نہیں کہ دینی بیانات اس حقیقت کی راہنمائی نہ کریں یا اس کے بعض پروگرام کو روشن کرنے کے لئے اس میں کوتاہی برتیں، ایسے کسی مقام پر واجبات و محرمات سے غض بصر کریں۔

۳۔ عرفان نفس اور اس کے دستور پر کتاب و سنت کی رہنمائی

خداوند عالم نے اپنی بابرکت کتاب قرآن مجید میں کئی مقام پر لوگوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ قرآن میں تدبر و تفکر کریں صرف سطحی ادراک پر قناعت نہ کریں، بہت ساری آیتوں میں اس نے تخلیق کائنات اور اس کائنات میں جو کچھ ہے (بغیر استثناء کے) اسے اپنی آیات

علامات اور نشانیوں سے تعبیر کیا ہے۔ اگر آیت پر ذرا سا بھی غور وفکر کیا جائے تو اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ علامت ونشانی دوسروں کے لئے علامت ہے نہ کہ خود اپنے لئے مثلاً لال بتی (Red light) خطروں کی علامت کے طور پر نصب کی جاتی ہے ہر شخص اسے دیکھ کر خطرہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہ اصل میں کوئی خطرہ نہیں دیکھتا اور خود روشنی بھی کوئی توجہ نہیں رکھتی اگر اس روشنی، اس کی ماہیت، اس کے شیشے یا رنگ کے بارے میں غور وفکر کیا جائے تو اس کی صورت شیشے اور رنگ کے بارے میں تو سمجھا جاسکتا ہے لیکن اس سے خطرہ کا مفہوم نہیں جانا جاسکتا ہے۔

اس لئے اگر دنیا اور دنیا کی تمام مخلوقات جس طرح بھی خداوند عالم کی نشانی اور اس کی آیتوں میں شمار کی جائیں وہ اپنے وجود کے سلسلے میں کوئی استقلال نہ رکھتی ہوں، اسے جس طرح بھی دیکھا جائے سواء خدائے پاک کے کسی کی بھی نشانی نہ سمجھی جائے او جو شخص بھی قرآن کی تعلیم وہدایت کی نظر سے دنیا اور دنیا کی چیزوں کی صورت کو دیکھتا ہے وہ اسے دیکھ کر معرفت الٰہی کے علاوہ کسی چیز کا ادراک نہیں کرتا اور اس خوبصورتی کے بجائے جو کہ دنیا کی دلربائی نحو سے حاصل ہوتی ہے وہ خوبصورتی ودلکشی کا لامتناعی سلسلہ دیکھتا ہے جو کہ دنیا کے تنگ دریچے خودنمائی اور تجلی دکھاتی ہے اور یہ وہ وقت ہے جبکہ خرمن ہستی خود کو تاراج کر کے اپنے دل کو محبت خدا کے حوالے کر دیتا ہے۔

جیسا کہ روشن ہے کہ یہ ادراک آنکھ، کان یا دوسرے حواس اور اس جیسی چیزوں یا پھر عقل وخیال کے وسیلے سے نہیں اس لئے کہ یہ وسیلے اور ان کے امور خود ہی آیات ونشانیاں ہیں اور اس دلالت وہدایت میں اس سے غافل ہیں۔ یہ راہگیر جو خدا کی یاد کے علاوہ اور تمام چیزوں کو فراموش کر دینے کے علاوہ کوئی ہمت نہیں رکھتا جب ہم یہ سنتے ہیں کہ خداوند عالم ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے "اے ایمان والو تم اپنی خبر لو جب تم راہ راست پر ہو تو کوئی گمراہ ہوا کرے تمہیں نقصان نہیں پہونچا سکتا" سورہ مائدہ آیت ۱۰۵ سے ہمیں سمجھنا چاہئے جو

کہ ایک جیسی کامل شاہراہ ہدایت رکھتا ہے وہ اس کا راہ نفس ہے اور اس کا حقیقی راہنما اس کا خدا ہے جو اسے اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ خود کو پہچانے تمام راہوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے اپنے نفس کی راہ کو اختیار کرے اور اپنے خدا کو اپنے دریچہ نفس سے دیکھے تاکہ اپنے اصلی مطلوب کو پاسکے۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ جس نے اپنی معرفت حاصل کرلی اس نے خدا کو پہچان لیا۔ ۳

نیز آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تم میں سے خدا کی معرفت اسی شخص کے پاس ہے جس نے خود اپنے آپ کو پہچان لیا۔

اس راستے کے سیر وسلوک کے لئے بہت زیادہ قرآنی آیات ہیں جو خدا کی یاد کا حکم دیتی ہیں جیسے یہ حکم ''تم مجھے یاد کرو تاکہ میں تمہیں یاد رکھوں'' سورہ بقرہ آیت ۱۵۲ اور اس کے علاوہ وہ اعمال صالحہ بھی ہیں جسے کتاب وسنت نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اس کے اختتام پر حکم دیا گیا ہے کہ ''اپنے پیغمبروں کی پیروی کرو'' سورہ احزاب آیت ۲۱ پھر یہ کیسے ممکن ہے اور کیونکر تصور کیا جاسکتا ہے کہ اسلام جو ایک ایسے راہ کی نشاندہی کرتا ہے جس سے معرفت خدا حاصل ہو اس راہ پر لوگوں کو چلنے کی ہدایت نہ کرے گرچہ وہ اپنے دستور سے غفلت کرے یا اس کی طرف متوجہ نہ ہو جبکہ حقیقت یہ ہے کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے'' اور ہم نے جو تم پر کتاب (قرآن) نازل کی جس میں ہر چیز کا (شافی) بیان ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت وخوشخبری ہے''سورہ نحل آیت ۸۹۔

اہل تشیع کے آئمہ کے مطابق اسلامی اعتقادات

معرفت خدا: خدا کے وجود کی ضرورت

انسان کا ادراک وشعور جو اس کی پیدائش سے مربوط ہے پہلے ہی قدم پر وہ مخلوق کائنات اور خالق کل کے وجود کو اس کے اوپر روشن کردیتا ہے اس لئے کہ وہ اپنے زعم ناقص میں اپنی ہستی اور دنیا کی تمام اشیاء کی طرف سے شک وشبہات میں مبتلا رہتے ہیں اور وہ اس

دنیا کو ایک خیال تصور کرتے ہیں۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ ایک انسان اپنی پیدائش کے آغاز ہی سے ادراک وشعور سے منسلک رہتا ہے اور اپنے آپ کو پھر دنیا کو دیکھتا ہے یعنی اس میں اسے کوئی شک نہیں ہوتا (وہ ہے اور دیگر تمام چیزیں ایسی ہی ہیں) اور جب تک انسان انسان ہے یہ ادراک وشعور اس سے منسلک ہے وہ نہ اس کی کوئی تردید کرتا ہے اور نہ ہی تاویل۔

یہ دنیا اور اس کی حقیقت جسے انسان سوفسطی اور شکاک کے برابر میں مثبت اور صحیح سمجھتا ہے اور قطعاً اسے باطل نہیں قرار دیتا یعنی سوفسطی اور شکاک کے نظریات جو حقیقی معنوں میں حقیقت کا انکار کرتے ہیں وہ قطعاً کبھی بھی صحیح نہیں قرار دیے جاسکتے لہٰذا دنیا کا وجود ایک حقیقت ہے۔

گرچہ ان ظواہرات دنیا میں سے جس کو ہم دنیا میں حقیقی نظروں سے دیکھتے ہیں وہ دیر یا سویر اپنی حقیقت سے دور نظر آتے ہیں اور فنا ہوجاتے ہیں، اس مقام پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ ظاہری دنیا اور اسکے اجزاء عین حقیقت نہیں بلکہ حقیقتوں کی وجہ سے اس پر اعتماد کیا گیا ہے، اس حقیقت سے حقیقت امر ثابت ہوتا ہے اور اس کے وسیلے سے ہم اس دنیا کو سمجھتے ہیں اور ہم اس وقت تک اس سے ارتباط واتصال رکھتے ہیں جب تک کہ ہم اس میں زندہ ہیں اور جب ہم اس سے منقطع ہوجائیں گے فنا ہوجائیں گے ہم اس حقیقت امر کو جو ثابت ہے باطل نہیں قرار دے سکتے اسی کو واجب الوجود یعنی خدا کہتے ہیں۔

۲۔ انسان اور دنیا میں ربط کا ایک دوسرا نظریہ

وہ طریقہ جو اثبات وجود خدا کے سلسلہ میں گذشتہ فصل میں بیان کیا گیا وہ بہت سادہ لیکن روشن اور واضح طریقہ ہے جسے انسان نے خدا کی مدد سے حاصل کیا ہے اس میں اسے کوئی پیچ وخم نہیں ملا لیکن بہت سے ایسے افراد جنہوں نے مستقل مادیت میں مشغول رہنے کی وجہ سے وہ دلچسپی جو کہ انہوں نے محسوس ہونے والی لذتوں سے حاصل کی ان کے لئے خدا کی طرف اور فطرت رجوع کرنا بہت دشوار گذار امر ثابت ہوا۔

اس لحاظ سے اسلام نے اپنے قوانین میں مساوات اختیار کی ہے اور وہ دینی مقاصد میں تمام افراد کو برابر قرار دیتا ہے۔ اثبات وجود خدا کو ایک دوسرے ذریعہ اور طریقے سے لوگوں کے درمیان بیان کرتا ہے وہی طریقہ جس نے سادہ فطرت سے لوگوں کو دور کردیا اور ان سے یہ بات کہی گئی کہ وہ خدا کو پہچانیں۔

قرآن کریم خداوند عالم کی معرفت کے لئے مختلف طریقوں سے لوگوں کو تعلیم دیتا ہے اور تمام افکار سے بڑھ کر تخلیق کائنات اور حکومت دنیا کے نظام کی طرف مرتبط کرتا ہے، وہ کائنات کے ساتھ ساتھ خود اپنے نفس پر بھی غور کرنے کی دعوت دیتا ہے، اس لئے کہ انسان اپنی چند روزہ زندگی میں ان تمام راہوں کو اختیار کرتا ہے اور وہ جس حالت میں بھی نظام کائنات اور حکومت دنیا کے سلسلہ میں مستغرق رہتا ہے وہ اس سے باہر نہیں آنا چاہتا اسکا شعور ادراک زمین و آسمان کی وسعتوں سے چشم پوشی نہیں کرسکتا۔

یہ وسیع وعریض دنیا جو ہماری نظروں کے سامنے ہے (جیسا کہ ہم جانتے ہیں) اس میں کا ہر ایک جز اور اسکا مجموعہ اپنے میں تغیر وتبدیلی رکھتا ہے۔ ہر لحظہ اپنی تازہ شکل وشباہت کے ساتھ جلوہ فروز ہوتا ہے۔

قوانین کی تاثیر کے لحاظ سے جو اس بات سے استثناء ہے کہ اسے قبول نہ کیا جائے وہ تحقیق کا لباس زیب تن کرلیتا ہے یہاں تک کہ وہ ذرہ ناچیز جو کہ دنیا کے اجزا کو تشکیل دینے میں معاون ثابت ہوتا ہے ہر ایک نظام کا ضامن ہے یہ واضح رہے کہ ناپذیر قوانین کے علاوہ یہ خودی حیرت انگیز طریقے پر جاری رہتا ہے اور اپنی عملی شعاع کو پست ترین مقام سے کامل ترین حالت تک لیجانے کے لئے برانگیختہ کرتا ہے اپنے ہدف کو کمال تک پہنچاتا ہے۔

خصوصی نظام سے بالاتر ہوکر عمومی نظام اور بالآخر دنیا کے مساواتی نظام کو جو دنیا کے بیرونی اجزاء کو ایک دوسرے سے مربوط کرتا ہے، جزوی نظام کو ایک دوسرے سے ملحق کرتا ہے اور دائمی سلسلہ کو خود سے الگ رکھنے کو قبول نہیں کرتا اور بدنظمی کو پسند نہیں کرتا۔

نظام کائنات میں سے اگر انسان کو مثلاً ایک قطعہ زمین دیدی جائے کہ وہ اپنے وجود کی بناوٹ کو اس طرح ترکیب دے کہ گویا اس نے اپنی پوری زندگی میں اس کی تعمیر وتکمیل کی ہے اور اس کی پوری زندگی کو اس طرح ترکیب دیا جائے جیسے کہ ایک دایہ نے بہت مشقت ومحبت کے ساتھ اس کی تربیت کی ہو، چاند، سورج، ستارے، زمین، دریا، رات ودن، سال کے موسم، ہوا آندھی بارش، زمین کے نیچے کے خزانے، زمین کے اوپر کی دولت اور اپنی کامیابی کے تمام سرمایے جو کچھ اس نے اپنے آرام وآسائش کے لئے اکھٹا کررکھے ہیں ان تمام چیزوں کو کام میں لائے، ہم اس طرح کے تمام ارتباط وتغیرات کو ہر ظاہر چیزوں کے درمیان، ہر سائے سے دور ونزدیک اور ہم جس گھر میں زندگی گذار رہے ہیں اس میں دیکھتے ہیں۔

داخلی آمادگی میں اس طرح کا ارتباط والحاق دنیا کی تمام ظاہر چیزں سے بھی آشکار ا ہے، خالق بشر نے اگر انسان کی حیات کے لئے روٹی کا انتظام کیا، اس کے حصول کے لئے اس نے پیر عطا کئے، اسے پکڑنے کے لئے ہاتھ دئے اور اسے نوش کرنے کے لئے کام ودہن جیسی دولت دی اسے چبانے کے لئے دانت عطا فرمائے اور پھر ان تمام چیزں کو ایک حلق کے رشتہ سے جوڑدیا اس کے تخلیق کے کمال کی علامت ہے کہ اس نے سب کو ایک دوسرے سے مربوط کردیا ہے۔

دنیا کے دانشمند اس بات سے انکارنہیں کرسکتے جو انہوں نے علمی جستجو میں ہزاروں سال تک یکراں روابط سے پیدا کئے ہیں، یہ رموز تخلیق کا ناچیز ہر اول ہے جو تمام نہ ہونے والی چیزوں کے عقب میں ہے اور ہر نئی معلومات انسان کے لئے بے شمار مضمرات کا اعلان کرتی ہے۔

کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ وسیع وعریض دنیا جس کا سرتا پاء جز جدا جدا اور وحدت واتصال کی حالت میں حیرت انگیز طورپہ اتفاق خود ایک علم اور لامتناعی قدرت کی حکایت کرتا

ہے تو کیا اس کا کوئی پروردگار نہیں اور یہ بغیر کسی غرض وغایت کے خلق کیا گیا ہے۔

کیا یہ جزئی اور کلی نظام اور آخر میں دنیاوی مساوات کا نظام جس نے بے شمار اور مضبوط روابط کی بنیاد پر دنیا کو ایک عظیم قرار دیا ہے اور ناپذیر جانبداری کے قوانین سے خود کو مربوط کر رکھا ہے تمام کے تمام بغیر نقشہ کے اور محض اتفاق واقتران ہے؟ یا ان میں سے ہر ایک ظاہر چاہے وہ دنیا کی چھوٹی چیز ہو یا بڑی اس نے اپنے لئے منتخب نظام سے پیدائش سے قبل اور منتخب راہ ورسم سے پہلے اور پیدائش کے بعد اسے اپنے موقع ومحل پر استعمال کیا کرتا ہے؟ یا یہ دنیا جو کہ یکتائی واتصال میں کامل ہے اس نے ایک اور واحد سے زیادہ کچھ نہیں بنایا یا وضع کیا ہے، اس کے متعدد اور مختلف اسباب ہو سکتے ہیں یہ کونا کوں قوانین سے چل رہی ہے۔؟

البتہ اگر کوئی شخص کسی حادثہ یا کسی ظاہری چیز کو کسی سبب یا کسی علت سے نسبت دیتا ہے اور کبھی دنیا کے مضمرات کو جاننے کے لئے بحث اور کوشش کرتا ہے اور علمی کامیابی کے پیچھے گھومتا ہے ایک انسان جو یہ دیکھتا ہے یہ چند اینٹ جو کہ ایک ترتیب اور نظم ونسق کے ساتھ ایک دوسرے کے اوپر رکھے ہوئے ہیں یہ ان کی قدرت اور ان کے علم کی طرف منسوب دیتی ہیں۔ یہ اس کے اتفاق یا حادثہ کی نفی کرتا ہے اور نقشہ ونشانہ کا فیصلہ کرتا ہے اس لئے قطعاً دنیا کی پیدائش کو بے سبب یا دنیاوی نظام کو اتفاق وحادثہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا ہے۔

لہٰذا دنیا اپنے اس نظام کے ساتھ جس کی وجہ سے حکومت کرتی ہے اس کا خلق کرنے والا وہ عظیم خالق ہے جس نے اپنے بے پایاں علم وقدرت سے خود کو وجود بخشا اور پھر وہ خود کو اپنے صدف کی طرف برانگیختہ کرتا ہے اور اسباب جزئیہ جس نے حوادث جزئیہ کو وجود بخشا تمام چیزیں آخر کار وہیں پر جا کر اختتام پذیر ہوتی ہیں اور چاہے وہ جس طریقے سے بھی تسخیر وتدبیر کے تحت ہوں ہر چیز اپنے وجود کے لئے اس کی نیاز مند ہے لیکن وہ کسی چیز کا نیاز مند نہیں اور نہ ہی وہ کسی علت یا کسی شرط کے سرچشمہ سے منسلک ہے۔

حوالہ:

۱۔چھٹے امام نے فرمایا ۔عبادت تین طرح کی ہوتی ہے ایک گروہ، خدا کی عبادت خوف میں کرتا ہے اور عبادت کی یہ قسم غلاموں جیسی ہے۔ ایک گروہ خدا کی عبادت اچھی جزاء کی امید میں کرتا ہے یہ عبادت مزدوروں جیسی ہے اور ایک گروہ خدا کی عبادت محبت والفت میں کرتا ہے یہ عبادت آزاد لوگوں کی اور بہترین عبادت ہے۔(بحار الانوار ج ۱۵ ص ۲۰۸)

۲۔جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے" اور رہبانیت (لذت سے کنارہ کشی) ان لوگوں نے خود ایک نئی بات نکالی تھی ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا مگر (ان لوگوں نے) خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے خود ایجاد کیا (سورہ الحدید آیت ۲۷)

۳۔من عرف نفسه فقد عرف ربه (غرر الحکم ۲ ص ۶۶۵)

❀❀❀